’’پوکے مان کی دنیا‘‘ (معاصر عہد کے چیلنجز کا اِظہار)

ڈاکٹر مظہر عباس*

Abstract:

Musharraf Alam Zauqi's novel "Pokemon ki Duniya" brings forth the conflict between the traditionally established structure of social values and the current metamorphosis of the moral codes affected by neo-imperialism, consumerism, media, globalization, internet, chatting and junk food etc. This novel, in the perspective of Hindustan, discusses the cultural and the civilizational degeneration of the third world countries with the special focus on the changing attitudes towards gender issues. This attitudunal shift causes a "future shock" in that it, dispite having a rapport with progressive and social process, is rooted in the consequences of consumerism and globalization. "Pokemon ki Duniya" triggers a debate on the above mentioned transformation and its consequences. This article puts on the thematic variants, their basis, scope and the variegated artistic techniques used in this novel.

نواستعماریت، صارفیت، میڈیا، گلوبلائزیشن، انٹرنیٹ، چیٹنگ، جنک فوڈ کے اثرات صرف معاشی سطح پر نہیں ہیں۔ سماجی سطح پر نوجوان نسل اور کم عمر بچے بہت تیزی کے ساتھ اس منظر نامے کو نہ صرف قبول کر رہے ہیں بلکہ ان کے مضر اثرات سے براہِ راست متاثر ہو رہے ہیں۔ کم عمر بچے اور نوجوان نسل اپنے بزرگوں کی اخلاقیات، روایات کو فرسودہ سمجھنے لگے ہیں۔ والدین کی مداخلت کو قبول نہیں کر رہے بلکہ اسے جنریشن گیپ کا نام دے رہے

* شعبہ اُردو، گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ کالج، ملتان

ہیں۔ خاندان، رشتے، محبتیں اور سماجی اقدار جو اگلی نسل کی آبیاری کیا کرتی تھیں، اُس نسل کے کردار کو ایک خاص نہج عطا کرتی تھیں، سیکڑوں سالہ اقدار، رویے اور اخلاقیات کا بیج اگلی نسل میں بویا کرتی تھیں وہ نہ رہیں۔ ہم آنے والی تبدیلیوں کو قبول کرنے سے اِنکاری ہیں، لیکن آنکھ بند کر لینے سے حقائق بدل تو نہیں جاتے۔ بدلتے ہوئے سماجی منظرنامے میں خاندانی نظام سب سے زیادہ شکست و ریخت کا شکار ہے۔ ہمارا سماج اس حقیقت کو قبول کرنا تو ایک طرف رہا، اس پر مکالمہ کرنے کو بھی تیار نہیں ہے۔ میڈیائی یلغار نے خبر دینے کے بجائے ذہن سازی کا عمل شروع کر رکھا ہے۔ نوجوان نسل سب سے زیادہ اِس یلغار سے متاثر ہو رہی ہے۔ آخر اِنٹرنیٹ پر اتنا زیادہ مواد 'پورن' کیوں ہے؟ کون لوگ ہیں جو فری یہ سروس مہیا کر رہے ہیں؟ ہم اِس کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہے، یا تبدیل ہوتی اِس اخلاقیات کو زیرِ بحث لاتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ اِن کی ایک بڑی وجہ ہمارا مشرقی مزاج اور مذہبی تشخص ہے جو تبدیلی کو ناپسند کرتا ہے۔ ایک اور وجہ اڈھاک ازم ہے جسے ہم ڈنگ ٹپاؤ پالیسی بھی کہہ سکتے ہیں۔ اِنفرادی اور اجتماعی رویوں کے ساتھ ساتھ ملکی پالیسیوں میں، سلیبس میں یہاں تک کہ دانش میں بھی یہی پالیسی کارفرما نظر آتی ہے۔

اِنڈیا اِس حوالے سے ہم سے آگے ہے۔ وہاں سوشل میڈیا، الیکٹرانک میڈیا، فکشن، اور فلم میں ایسے موضوعات کو چھیڑا جا رہا ہے جن پر ہمارے ہاں لکھنا تو دور کی بات ہے گفتگو کرنا بھی ممنوع ہے۔ ہماری نوجوان نسل عطائی حکیموں کے اِشتہارات کو پڑھ پڑھ کر جنسی مریض اور علاج کے نام پر گردے فیل کراتی جا رہی ہے اور ہم اُن سے مکالمہ نہیں کر سکتے کیونکہ ہماری اخلاقیات میں جنس پر بات کرنے کی اِجازت نہیں۔ مغرب میں یہ مسئلہ نہیں ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے سماج میں بتدریج اور تسلسل کے ساتھ تبدیلی آئی ہے۔ مغرب میں پیداواری ارتقاء، سماجی ارتقاء اور فکری ارتقاء میں تسلسل اور ہم آہنگی رہی۔ اِس لیے وہاں کے سماج کو اس نوع کے مسائل کا سامنا نہیں ہے (اُن کے سماجی مسائل اور نوعیت کے ہیں)۔

ہمارے ہاں پیداواری نظام اور بدلتی سماجی اقدار میں کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ ہم مابعد جدید عہد میں رہتے ہوئے نیم جاگیردارانہ، نیم سرمایہ دارانہ اور نیم قبائلی نظام کے تحت زندگی گزار رہے ہیں۔ ہماری سماجی زندگی میں آنے والی تبدیلیوں کا تعلق ہمارے اپنے تناظر سے نہیں بلکہ عالمگیریت کے اثرات سے ہے۔ یہ تبدیلیاں بظاہر مصنوعی اور غیر اہم نظر آتی ہیں، شاید اِس لیے ان پر سنجیدہ مکالمے کا آغاز نہیں ہوا، لیکن یہ اتنی غیر اہم نہیں کہ اِنہیں نظرانداز کیا جائے۔ نوجوان حیران ہوتے ہیں کہ بزرگ انٹرنیٹ، کیبل، ٹی وی اور کلب جیسی سہولیات کے بغیر زندہ کیسے تھے؟ یعنی اب زندگی میں رشتوں، محبتوں، روایات اور اخلاقیات سے زیادہ اہمیت میڈیا اور کلب کی ہو گئی ہے۔ بزرگ تنگ سلیولیس لباس میں بیٹی کو دیکھ نہیں سکتے۔ نوجوان اسے دقیانوسیت اور جنریشن گیپ کہتے ہیں۔ بات صرف جنریشن گیپ کی نہیں ہے، جنریشن گیپ تو ہر دور میں، ہر نسل کا مسئلہ رہا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ نئی نسل اور

پرانی نسل میں یہ گیپ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔اسے سمجھنا ضروری ہوگیا ہے کیونکہ اسے سمجھے بغیر سماج میں آنے والی تبدیلیوں کو سمجھنا ممکن نہیں ہوگا۔اس سارے منظرنامے کی موثر اور بھرپور عکاسی مشرف عالم ذوقی کے ناول ''پوکے مان کی دنیا'' میں کی گئی ہے۔ناول میں ہندوستانی معاشرے کے اندر آنے والی تبدیلیوں کو موضوع بنایا گیا ہے اور خاص طور پر نوجوان نسل کی جنسی زندگی پر جو اثرات پڑے ہیں ان کو پیش کیا گیا ہے۔

ناول کو پڑھتے جائیں خود بخود انڈیا اور پاکستانی سماج کا تقابل ہوتا جاتا ہے۔کیونکہ یہ دونوں ممالک ثقافتی مماثلت کے ساتھ ساتھ ملٹی نیشنل کمپنیوں کی بہت بڑی مارکیٹ ہیں۔ انہیں اپنی مصنوعات کو فروخت کرنا ہے۔۔۔کسی بھی قیمت پر۔۔۔تہذیب،سنسکرتی،اخلاقیات کی قیمت پر ہی سہی۔۔۔مصنوعات کا بکنا ضروری ہے۔اِشتہار بازی میں حقیقت اور فنٹسی کو اتنا گڈ مڈ کردیا گیا ہے کہ حقیقت کی حیثیت ثانوی ہو کر رہ گئی ہے۔ویسے بھی ہر نسل کی اپنی حقیقت اور اپنی فنٹسی ہوتی ہے۔مابعد جدید نسل کی حقیقت فینٹسی اور لمحہِ موجود سے عبارت ہے۔

ناول پر مزید بات کرنے سے پہلے مختصر طور پر ناول کی کہانی پیش کرنا ضروری ہے۔ناول کی کہانی متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے کچھ ادھیڑ عمر خواتین وحضرات،نئی نسل کے نمائندہ کچھ لڑکے لڑکیاں،عالمی استعماری معاشی قوتیں،بکاؤ میڈیا،مفاد پرست سیاستدان اور احمق سوسائٹی (جو عقل کا اِستعمال کرنا معیوب خیال کرتے ہیں) کے گرد گھومتی ہے۔ناول کا مرکزی کردار سنیل کمار رائے پس ماندہ علاقے گوپال گنج سے تعلق رکھتا ہے۔اپنی محنت کے سہارے جج بن جاتا ہے۔ایک مقدمہ اس کی پرسکون زندگی میں ہلچل مچاتا ہے۔وہ اِردگرد کی زندگی کو روایتی اقداری سانچوں میں دیکھتا ہے،سب غلط نظر آتا ہے۔اب کہانی کا کچھ حصہ اقتباسات کے ذریعے۔۔۔

> ''میری نظر نے ایک مرتبہ پھر اس کا تعاقب کرنا چاہا۔مگر ہر بار بیٹی کی جگہ جسم آڑے آتا رہا۔۔۔وہی تنگ کپڑوں میں سمٹا ہوا ایک کھلا جسم۔۔۔جسے دیکھتے ہوئے باپ اپنی ہی نظر میں ننگا ہو جاتا ہے۔۔۔''(۱)
>
> ''یعنی بس تھوڑے سے لمحے۔جب رات میں ایک میز کے گرد۔۔۔تھوڑی دیر کے لیے تم لوگ سمٹ جاتے ہو۔ایک بیوی ہوتی ہے۔ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔۔۔اور۔۔۔تنہائیوں کا مرثیہ ہوتا ہے۔۔۔''(۲)
>
> ریا زور سے چیختی ہے۔۔۔یہ ہے جنریشن گیپ۔۔۔آپ کے اور ہمارے بیچ کا ڈیڈ۔اونلی جنریشن گیپ۔آپ صرف ہماری جنریشن میں بیکٹیریا ڈھونڈو گے۔۔۔غلط باتوں کا بیکٹیریا۔۔۔یو آسو کنز رویٹو اینڈ اولڈ فیشنڈ۔۔۔بدلے ہوئے زمانے میں آپ کبھی ہمیں Accept کروگے ہی نہیں۔۔۔''(۳)
>
> میری بیٹی اگر چھوٹے کپڑے پہنتی ہے تو پہنا کرے۔۔۔اُس کے دوست اُس کے

کمرے میں 'بے کھٹک' داخل ہو کر دروازہ بند کر لیتے ہوں۔۔۔تو بند کر لیا کریں۔۔۔تنن اپنی گرل فرینڈ کو آزادانہ سب کے سامنے چوم سکتا ہے،تو۔۔۔بڑے بننے کے طفیل میں آنکھوں کا بند رکھنا ضروری ہے۔لیکن سنیل کمار رائے سے یہی نہ ہو سکا۔۔۔وہ گوپال گنج کے 'چھوٹے آدمی' ہی بنے رہے۔شاید۔۔۔پرانے سنسکاروں سے لپٹے ہوئے اور بچے اُڑتے رہے۔۔۔اسنیہ نئی باتوں سے سمجھوتا کرتی رہی۔۔۔"(۴)

اسنیہ کا سمجھوتا اور سنیل کمار کا فرار جاری رہتا اور زندگی اسی طرح گزر جاتی، بچے اپنی پسند اور اپنے انداز سے شادی بیاہ کر کے اُڑ جاتے۔۔۔کہانی ختم۔۔۔ہیپلی اینڈ۔۔۔ناول کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔شاید ایسا ہی ہوتا مگر ایسا ہوا نہیں۔کہانی میں ایک دھما کہ دار انٹری ہوئی، پرانی روایات اور تبدیل ہوتی نئی اخلاقیات کا ٹکراؤ کھل کر سامنے آ گیا۔ایک بارہ سالہ بچے نے اپنی ہم عمر کلاس فیلو کے ساتھ جنسی عمل کیا۔گھٹیا سیاست کے علمبرداروں نے اسے 'دلت ایشو'، 'دلت بالکا بلاتکار' بنا دیا۔سنیل کمار رائے پر سیاسی دباؤ ہے کہ وہ سزا سنائے، اور وہ جاننا چاہتا ہے کہ آخر یہ کیسے ممکن ہے؟اس کا ذمہ دار کون ہے؟والدین؟میڈیا؟انٹرنیٹ؟جینک فوڈ ؟یا ہارمونز میں کوئی تبدیلی؟ جاننے کے اِس عمل میں وہ ہندوستانی معاشرے اور عالمی سطح پر تبدیل ہوتی سماجی اور جنسی اخلاقیات خصوصاً بچوں میں آنے والی تبدیلیوں کا مطالعہ کرتا ہے۔اُس کا یہ مطالعہ قارئین کے لیے معلومات کا باعث بنتا ہے۔اسی عمل کے دوران اُس کا اپنی بیٹی ریا، بیٹے تنن اور بیوی اسنیہ سے مکالمہ اِحساس دلاتا ہے کہ نئی نسل اور پرانی نسل کے درمیان بڑھتی خلیج کو صرف جنریشن گیپ کہ دینے سے معاملات کو سمجھا نہیں جا سکتا۔اِس بڑھتی ہوئی خلیج کو سمجھنے کے لیے روایتی اخلاقیات اور تبدیل ہوتی نئی اقدار کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

روایتی اخلاقیات میں اپنی 'ذات' کو ہی سب سے زیادہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔نام سے لے کر مذہب، عقائد، رویے، روایات، لباس، طرزِ زندگی، مستقبل کے فیصلے دوسرے کرتے ہیں۔میں کیا چاہتا ہوں سے زیادہ فکر معاشرے، والدین، بہن بھائی، ہمسائے، اور لوگوں کی ہوتی ہے۔سب سے زیادہ خوف ان دیکھی قوتوں کا ہوتا ہے۔ماضی یا مستقبل میں زندگی گزاری جاتی ہے۔لمحۂ موجود کو سب سے زیادہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔جزا اور سزا کی ان دیکھی آنے والی زندگی پر، حقیقی اور موجودہ زندگی کو قربان کر دیا جاتا ہے۔ جزا اور سزا کے روایتی تصورات کی وجہ سے 'خوف' اور 'لالچ' فرد کی شخصیت کے غالب عناصر بن جاتے ہیں، جو آزادی، خودمختاری اور خود اختیاری جیسے بنیادی وجودی اختیارات کو ختم کر دیتے ہیں۔

نئی نسل یہ سب جان چکی ہے، اِس لیے وہ روایتی اقداری سانچوں سے باغی ہے۔وہ ہر اُس قدر کو نظر انداز کر رہی ہے جو اُس کی آزادی، اختیار اور قوتِ فیصلہ کو چیلنج کرتی ہے۔اُسے سنہرے ماضی، عظیم شخصیات سے کوئی

دلچسپی نہیں، اور نہ ہی وہ مستقبل کی لمبی منصوبہ بندی کے قائل ہیں۔نئی اخلاقیات میں لمحۂ موجود اور 'ذات' کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ہمارے روایتی ہیروز سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔اُن کے اپنے ہیروز ہیں۔۔۔لمحاتی نوعیت کے۔۔۔آگے کی کہانی کے لیے کچھ اقتباسات۔۔۔

''۔۔۔جو وقت بدل رہا ہے۔اس کی آواز بھیانک ہے۔۔۔ایک بھیانک طوفان ہے۔جس کی صدا کم لوگ سن رہے ہیں۔لیکن یہ طوفان آچکا ہے۔مختلف شکلوں میں۔۔۔نئی ٹکنالوجی اور نئے سیسمو گراف کے طور پر۔۔۔طوفان آچکا ہے۔اور سچی بات یہ ہے کہ یہ طوفان سب کچھ بہا کر لے جائے گا۔۔۔''**(۵)**

''سامنے والا، ہر دوسرا آدمی دھوکا ہے۔۔۔illusion ہے۔۔۔فریب ہے۔۔۔کسی کے ہنسنے پر کبھی دکھی نہیں ہوتا۔۔۔ہم کس کے لیے جیتے ہیں۔۔۔اپنے لیے ریا۔کس کے لیے خوش ہوتے ہیں۔۔۔اپنے لیے۔۔۔کس کے لیے کھاتے پیتے ہیں۔۔۔عمر کی گاڑی آگے بڑھاتے ہیں۔۔۔اپنے لیے۔۔۔اِس لیے جینے کا سارا فلسفہ اپنے لیے، صرف اپنے لیے سے جڑا ہے۔۔۔''**(٦)**

''آج میں جیو۔کیونکہ۔۔۔ہم تو ہمیشہ سے ایسے ہیں۔۔۔ہم ایسے ہی رہیں گے۔۔پیچھے مڑ کے مت دیکھو۔ہمیشہ ورتمان پر نظر رکھو۔۔۔جو ہو رہا ہے اچھا ہے۔۔آگے جو ہوگا اچھا ہوگا۔۔۔یہی اِس پوسٹ ماڈرن ایج کا فلسفہ ہے۔''**(۷)**

''۔۔۔یونو۔یہ پروگرام ہم Afro Asian Society کے contribution سے کر رہے ہیں۔ہم سب کا راستہ ایک ہے۔۔۔ایک دوسرے کی 'دھنوں' کو پہچاننا۔دراصل سنگیت کے بہانے ہم دیس، ریلیجین، ہر طرح کی باؤنڈری، سرحد اور دیواروں سے پار نکل جانا چاہتے ہیں۔۔۔''**(۸)**

یہ ہے پوسٹ ماڈرن عہد، اس کی زندگی اور فلاسفی جو نہ ماضی پر یقین رکھتی ہے نہ مستقبل کی فکر، جو نہ رشتوں پر یقین کرتی ہے نہ روایات پر، لفظ کا اعتبار کرتی نہ ہی معنی کا۔ہر قسم کی حدود کا انکار۔۔۔کوئی اِقرار بھی تو ہونا چاہیے۔۔۔چاہے binery opposite کے طور پر سہی۔۔۔ ہو تو۔۔۔ بس لمحۂ موجود اور میں، میری persiption، جو عدم تیقن، بے معنویت، لایعنیت سے عبارت ہے۔۔۔اِس ساری فلاسفی کا فائدہ کس کو ہے؟ سنیل کمار کو؟ اسنیہ کو؟ نکھل کو؟ اب ذرا نکھل کا قصہ بھی سن لیں۔۔۔سنیل کمار کا دوست، سپریم کورٹ کا دھانسو وکیل، 'نکھل' زندہ دل، ہنس مکھ، ملنسار اور فلرٹ انسان ہے وہ بھی ایک دن پھپھک پھپھک کر رونے لگا۔اس کی بیوی 'لالی' اپنے کالج کے ایک نوجوان کے ساتھ افیئر چلا رہی ہے اور اس کی بیٹی 'رتو' نے فرنچ ایمبیسی کے ایک نوجوان کے ساتھ رہنا شروع کر دیا ہے۔نہ شادی، نہ نکاح نہ کوئی جھنجھٹ، اس لیے سنیل کمار رائے سے کہتا ہے:

''سالے تہذیب کے محافظ___ اپنا گھر بچائے گا___ میرا گھر بچائے گا___ کس کس کا گھر بچائے گا___ اور کیوں بچائے گا___ مجھے لگا 'دتہ' ٹھیک کہتا ہے___ یہ بچے کچھ بھی کر سکتے ہیں___ سارے گناہ، سارے غلط، ناجائز دھندے___ یہ بچے اگر پیدا ہونے کے ساتھ ہی ریپ کرنے لگیں تو مجھے حیرت نہیں ہوگی۔''(۹)

سوال وہی ہے کہ آخر اِس عہد اور اِس فلاسفی کا فائدہ کس کو ہے؟ عام آدمی؟ تیسری دنیا کو؟ یا ملٹی نیشنلز کو؟ عام آدمی کے لیے تو حدود اور بھی سخت ہو گئے ہیں۔کوئی نظریہ نہیں۔۔۔کوئی آئیڈیل نہیں۔۔۔کوئی ضابطہ نہیں۔۔۔کوئی ماضی نہیں۔۔۔آگے کی فکر نہیں۔۔۔کوئی اخلاقیات نہیں۔۔۔دنیا کو گلوبل ولیج بنا دیا۔ایک ڈیوائس کے سہارے پوری دنیا سے جوڑ دیا۔۔۔لیکن ماں، باپ، بہن، بھائی، عزیز و اقارب، دوست اور ساتھیوں سے کاٹ کر ایک کمرے کا قیدی بنا دیا۔حققت سے زیادہ فنٹسی کی دنیا میں زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا۔۔۔'اسپائیڈر مین'، 'ہیری پوٹر'، 'نی یو' جیسے خوابوں میں رہنے والے کرداروں کو آئیڈیل بنا دیا گیا۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ بچوں کو یہ آئیڈیل، یہ خواب، یہ طرزِ فکر و نظر کون دے رہا ہے؟ فائدہ کس کو ہوا؟ ترقی یافتہ ممالک۔۔۔جہاں پوری دنیا کا سرمایہ جمع ہو رہا ہے۔۔۔جو پوری دنیا پر اپنی اجارہ داری قائم کیے ہوئے ہیں۔۔۔اس سارے منظر نامے میں عالمی معاشی قوتیں اور ترقی یافتہ ممالک اپنی ذمہ داریوں کو قبول کرنے سے انکاری ہیں۔ترقی یافتہ ممالک کی بے حسی کے حوالے سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''مارس پر پانی ہے تو سائنس دان، وہاں پائی جانے والی زندگی کے بارے میں مطمئن ہو جاتے ہیں اور یہاں زمین پر___ یہ اُجلا شفاف پانی___ جو ہر دن گزرنے کے ساتھ، سرخ پانی میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے وہ___''(۱۰)

اگر مارس پر پانی دریافت ہو بھی جائے یا زندگی کے آثار مل بھی جائیں تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟ یہاں زمین پر موجود انسانی زندگی قابلِ توجہ کیوں نہیں۔زمیں پر موجود انسانی آبادی کا بیشتر حصہ زندگی کی بنیادی سہولیات کو ترس رہا ہے۔زمین پر موجود وسائل پر چند ملک، چند سو کمپنیاں اور چند ہزار لوگ قابض ہیں، جو اِشتراکیت جیسے کسی بھی فتنے سے بچنے کی خاطر اجتماعیت کے ہر نظرے اور فکر کی نفی کر رہے ہیں۔کسی شاعر کا ایک شعر یاد آ رہا ہے

بستیاں چاند ستاروں پہ بسانے والو
قرۂ ارض پہ بجھتے چلے جاتے ہیں چراغ

ناول کا اختتام بہت معنی خیز ہے۔سنیل کمار رائے پر سیاسی پریشر ہے کہ بچے کی عمر پر نہ جائے اور اسے بلاتکار کرنے کی سزا دے۔سنیل کمار رائے اس فعل کو بچوں کا ایڈونچر قرار دیتا ہے اور نئی تہذیب کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے سزا کا حکم سناتا ہے کہ تعزیراتِ ہند، دفعہ ۳۰۲ کے تحت، اس جدید ٹیکنالوجی، ملٹی نیشنل کمپنیز،

کنزیومر ورلڈ اور گلوبلائزیشن کو سزائے موت ـــــ ہنگ ٹل ڈیتھ۔''(۱۱) یہ فیصلہ وہ خود کلامی میں سناتا ہے۔۔۔یا سنانا چاہتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ فیصلہ سنانے سے پہلے ہی اُس سے یہ مقدمہ لے لیا جاتا ہے۔''پو کے مان کی دنیا'' کے موضوع کے حوالے سے انور پاشا کی رائے قابلِ توجہ ہے۔ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''پو کے مان کی دنیا، گلوبلائزیشن کے طوفانِ بلاخیز میں پیروں تلے سے کھسکتی تہذیبی و اخلاقی بنیادوں کا ادراک عطا کرتا ہے۔ یہ ناول مشرقی تہذیب و کلچر پر مغربی یلغار اور کلچرل امپیریلزم کے مُضر اثرات کو بخوبی اپنی گرفت میں لاتا ہے۔ وہ اثرات جو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ ہمارے ڈرائنگ روم اور بیڈ روم میں داخل ہو کر بالخصوص نئی نسل کے ذہنوں کو آلودہ کرنے میں مصروف ہیں، ذوقی کا یہ ناول قاری کو کلچرل شاک دیتا ہے۔''(۱۲)

انور پاشا کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اِتنا کہنا چاہوں گا کہ بات اتنی سادہ نہیں ہے کہ اسے کلچرل شاک کہہ کر گزر جایا جائے۔۔۔ یہ ناول ایلون ٹافلر کے ''فیوچر شاک'' کے مباحث کو تخلیقی سطح پر سامنے لاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ دنیا کی سب قوموں اور تہذیبوں کا وقت مختلف ہوتا ہے۔ ۲۰۱۶ء کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب قومیں ۲۰۱۶ء میں رہ رہی ہیں۔ تیسری دنیا کی بیشتر اقوام معاشی، تہذیبی اور سماجی سطح پر آج بھی اٹھارویں اور انیسویں صدی میں رہ رہے ہیں۔اُن کی پس ماندگی کے اسباب سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ... آپ سے سوال کرتا ہوں۔۔۔کیا بلوچستان، اندرون سندھ، سرائیکی بیلٹ، ہزارہ اور کے پی کے، کا وقت؛ لاہور، کراچی اور اسلام آباد کا وقت ایک ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں... یہی صورتِ حال اقوامِ عالم میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ کچھ تہذیبیں علوم، فنون، سائنس وٹیکنالوجی میں پس ماندہ رہ جانے کی وجہ سے اپنی معاصر تہذیبوں سے پیچھے رہ جاتی ہیں۔اُن کا ترقی یافتہ معاصر تہذیبوں کے ساتھ جڑنا یا مقابلہ کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے لیکن آزاد عالمی معاشی نظام، گلوبلائیزیشن، میڈیا، اور صارفیت کے جبر کے تحت انہیں جڑنا پڑتا ہے۔ جڑت کا یہ تعلق علمی، پیداواری اور ثقافتی کے بجائے صارفیت کے جبر اور میڈیا کے توسط سے ہوتا ہے، جس کی نوعیت مصنوعی ہوتی ہے اِس لیے پس ماندہ اقوام، تہذیبیں یہاں تک کہ افراد بھی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسے فیوچر شاک یا ٹائم شاک کا نام دیا گیا ہے۔ پس ماندہ قومیں اور افراد وقتاً فوقتاً یہ شاک سہتے رہتے ہیں، نظر انداز کرتے رہتے ہیں، تاوقت کہ کسی شدید جزباتی صدمے سے دوچار نہ ہوں۔ جیسا کہ سنیل کمار رائے، نکہل، اومارائے... 'پو کے مان کے دنیا' کے دیگر کردار اور قارئین....

یہ تو ناول کا موضوع ہوا اب ذرا بات ناول کی کرافٹ کے حوالے سے ہو جائے۔ ناول میں شعور کی رو، خود کلامی، ہم کلامی اور آزاد تلازمہِ خیال کی تکنیکوں کو برتا گیا ہے۔ انہی تکنیکوں کی وجہ سے ناول کو فنی استحکام حاصل ہوا ہے ورنہ یہ کوئی کیس ہسٹری، کوئی رپورتاژ تو ہوتی ناول نہیں۔ سنیل کمار لاک اپ (اپنے کمرے۔۔دفتر) میں بیٹھا

انٹرنیٹ پر دنیا جہاں کی چیزیں سرچ کر رہا ہے اور یہ سب معلومات، کیس کے حوالے سے حقائق، گھریلو اور سماجی معاملات (جو کہ اس کے موضوع کو اِستحکام دے رہی ہیں) کبھی شعور کی رو، خود کلامی، ہم کلامی اور آزاد تلازمۂ خیال کی صورت قاری تک پہنچ رہی ہیں۔ سب سے اہم سوال یہ ہے کہ کیا ناول نگار اپنے نقطہ نظر کو پیش کرنے میں کامیاب ہوا کہ نہیں؟ اُس سے زیادہ اہم سوال یہ ہے کہ نقطہ نظر ہے کیا؟ اس جدید ٹیکنالوجی، ملٹی نیشنل کمپنیز، کنزیومر ورلڈ اور گلوبلائزیشن کو سزائے موت ـــــ ہنگ ٹل ڈیتھ۔ یہ نقطہ نظر تو فراری رویہ کا حامل ہے، مسئلے کا حل تو نہیں ہے۔ سائنس و ٹکنالوجی سے فرار ممکن نہیں، اور یہی فرار یا محرومی ہی پس ماندگی کا سبب بنی ہے۔ ناول نگار کے اس فیصلے سے اختلاف کی گنجائش ضرور ہے لیکن انہوں نے جس خلوص اور سچائی کے ساتھ تیسری دنیا کی اقوام کو آنے والے دور میں 'فیوچر شاک' کے لیے تیار کیا ہے، اس کے لیے انہیں داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔

یہ بھی سچ ہے کہ انڈین سماج اور تہذیب کو جن مسائل کا سامنا ہے وہ ابھی کھل کر پاکستانی سماج میں سامنے نہیں آئے، لیکن کیا نہیں آئیں گے؟ یقیناً آئیں گے اور زیادہ تباہ کُن طریقے سے آئیں گے۔ اُنہوں نے تو پھر بھی کچھ حفاظتی بند باندھنے شروع کے ہوئے ہیں مگر ہم تو ہمیشہ کی طرح سوئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے امریکن، جاپانی اور چینی کہانیوں اور کارٹونز سے جان چھڑانے کے لیے اپنے بچوں کو بھیم، ارجن اور اس نوع کے کارٹون بنا لیے ہیں۔ اور ہم نے ابھی تک طے نہیں کیا کہ امریکن، جاپانی، چینی کارٹونز کے ساتھ ساتھ ہندی دیو مالا پر مبنی کارٹونز کے اثرات سے اپنے بچوں کو کیسے بچائیں گے۔ انٹرنیٹ پر موجود ویب سائیٹس میں سے کس کس کو بلاک کریں گے۔ یہ مسائل سے فرار تو ہو سکتا ہے۔۔۔ مسائل کا حل نہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مشرف عالم ذوقی: ''پوکے مان کی دنیا''، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی (انڈیا)، ۲۰۰۴ء، ص ۱۸

۲۔ ایضاً، ص ۲۰ ۳۔ ایضاً، ص ۲۸ ۴۔ ایضاً، ص ۳۲

۵۔ ایضاً، ص ۲۷ ۶۔ ایضاً، ص ۱۲۹ ۷۔ ایضاً، ص ۱۳۵

۸۔ ایضاً، ص ۱۳۸ ۹۔ ایضاً، ص ۱۲۸ ۱۰۔ ایضاً، ص ۳۵

۱۱۔ ایضاً، ص ۳۳۰

۱۲۔ انور پاشا: ''معاصر ناول کے تہذیبی و سماجی سروکار (ہندوستانی ناولوں کے حوالے سے)''، (مضمون)، مشمولہ ''ہم عصر اُردو ناول ایک مطالعہ''، قمر رئیس: علی احمد فاطمی (مرتبین)، کتابی سلسلہ نیا سفر نمبر ۷، ایم آر پبلی کیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ص ۲۵